اللہ تعالیٰ کے انتہائی انعامات کا وارث بننے کیلئے جماعت اپنی قربانی کو انتہا تک پہنچادے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸؍جنوری ۱۹۷۲ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۷)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۙ﴿۳۴﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۵﴾ (النجم:۳۴،۳۵)

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ﴿۳۹﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ﴿۴۰﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۖ﴿۴۱﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ﴿۴۲﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۳﴾

(النجم:۳۹ تا ۴۳)

اِس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا میں ہر دو پہلو بیان ہوئے ہیں۔ایک یہ کہ اللہ کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہاں طاقت سے مراد دائرۂ استعداد ہی ہے جس پر میں متعدد بار روشنی ڈال چکا ہوں۔ پس کسی کا جتنا دائرۂ استعداد یا دائرۂ صلاحیت یا دائرۂ قوت وطاقت ہو، اس سے زیادہ بوجھ فرد، گروہ یا نوع پر نہیں ڈالا گیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ دائرہ استعداد میں جتنی بھی طاقت تھی، اس پر پورا سو فیصد بوجھ ڈال دیا گیا اور انسان کو اس کا مکلّف بنا دیا گیا۔ اللہ اس سے کم پر راضی نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے اور جو طاقت سے باہر ہے وہ اس کا بھی مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ اپنے کسی بندے پر اس وجہ سے بھی خوش نہیں ہوگا کہ اس نے اپنے بھائیوں

سے طاقت سے زیادہ مطالبہ کیا لیکن طاقت اور اس دائرہ کے اندر ذمہ داریوں کا جو زیادہ سے زیادہ بوجھ ڈالا جاسکتا ہے، وہ ڈالتا ہے چونکہ قوت وطاقت کی نشوونما ہوتی رہتی ہے اس لئے افراد کے بوجھ اور ان کی ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ تیری وحی سے منہ پھیر لیتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک تو مُقِرّ اور ایک وہ جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں کو جان بوجھ کر یا غفلت کے نتیجے میں نباہنے کی کوشش نہیں کرتے اور ان کا حال یہ ہے وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی کہ تھوڑا سا دیتے اور بقیہ کے متعلق بخل کرنے لگتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا میں جو بات بتائی گئی تھی وہ یہاں کھول کر بتادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑا دینے پر راضی نہیں بلکہ وہ طاقت کے مطابق پورا دینے پر راضی اور خوش ہوتا اور اس کی جزا دیتا ہے۔ باقی اس کی رحمت وسیع ہے وہ اپنے بندوں سے بعد میں جزا سزا کے وقت جو چاہے سلوک کرے (''بعد میں'' سے یہ مراد ہے کہ اس زندگی کے بعد اُخروی جزا کا وقت یا اِسی زندگی میں جزا کا وقت یعنی ایک محدود کوشش کا نتیجہ نکلنے کا وقت) وہ مالک ہے جو مرضی ہو کرے اسکے متعلق ہم بات نہیں کیا کرتے لیکن جو خدا نے ہمیں کہا اور تعلیم دی ہے، ہم سے جو چاہتا اور خواہش رکھتا ہے اور جس بات پر وہ کہتا ہے کہ میں راضی ہوتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جتنا دے سکتے ہو اُتنا دے دو تو میں راضی ہوں گا ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بوجھ ڈالا ہے اور اس کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی قوت اور طاقت کے مطابق کام نہ کرے بلکہ اس سے کم کرے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی لغوی بحث میں امام راغب نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان کی طاقت سے جو زائد ہے، وہ اس کا مکلّف نہیں لیکن اس دائرے کے اندر مکلّف ہے۔ سورۂ نجم میں یہی چیز کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ تھوڑا دینا اور بقیہ کے متعلق بخل کرنا۔ اگر تمہاری قوتِ استعداد سوا کائی ہو اور تم خدا کی راہ میں خدا کے بتائے ہوئے طریق اور اسکی تعلیم کے مطابق اور اس کی شریعت کے اصول کے لحاظ سے ننانوے اکائیاں دے دو اور ایک کے متعلق روگردانی اور بغاوت کا طریق اختیار کرو تو تم باغی ہو۔ اگر بھول جاؤ تو تم خدا تعالیٰ کے بعض فضلوں کو کھونے والے ہو سوائے اس کے کہ پھر ایک اَور کوشش کرو یعنی استغفار اور دعاؤں اور خدا کے سامنے عاجزانہ تڑپنے کی۔ یہ ایک اَور کوشش ہے جو اِس کمی کو

پُورا کرتی ہے پس کوشش بہرحال کرنی پڑے گی۔

آدمی INDIFFERENT (اِن ڈِفرینٹ) اور بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پرواہ کوئی نہیں۔ جہاں اس نے یہ کہا کہ مجھے پرواہ کوئی نہیں، وہاں وہ مارا گیا اور اس کے ننانوے بھی اس کے مُنہ پہ پھینک دئے گئے لیکن اگر کوئی بشری کمزوری ہے یا غفلت ہے یا عدم علم یا ناواقفیت کی وجہ سے کوئی مجبوری سمجھی گئی (یہ جہالت کے بعض پہلو اور اندھیرے ہیں جو بعض دفعہ انسان کے اُوپر چھا جاتے ہیں) حالانکہ وہ مجبوری نہیں تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ فضل کر دے تو اَور بات ہے لیکن مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی قوت اور طاقت، استعداد اور صلاحیت کے مطابق جتنا زیادہ سے زیادہ کرسکتا ہے وہ کرے اور اگر وہ خُدا کے حقوق اور خدا کی طرف سے عائد کردہ اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے انہیں خدا کے حضور پیش کر دے تو اسکے لئے بہترین جزا مقدّر ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سورۂ نجم کی ان دو آیات کے بعد ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے جو کچھ دیتے اور بقیہ کے متعلق بخل کرتے ہیں کہ کیا اِن کو علم نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ جو پہلی الہامی کتب میں بھی نظر آتا ہے۔ یعنی اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ وِزْرَ کے ایک معنے تو گناہ کے ہیں لیکن میں جو تفسیر کر رہا ہوں وہاں گناہ کے معنی چسپاں نہیں ہوتے۔ میری تفسیر کے مطابق بوجھ کے معنے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی جس کی استعداد پچاس اکائیاں ہے وہ اسّی اکائیوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی جو پچاس اور ساٹھ کے درمیان فرق ہے یا پچاس اور سَو کے درمیان فرق ہے وہ تو دوسرے کا بوجھ ہے (جس کی طاقت زیادہ ہے اور) اس کے اوپر نہیں پڑ سکتا۔ اس کی جان پر اتنا ہی بوجھ پڑے گا جتنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے مطابق اٹھانے کے قابل ہے اس سے زیادہ نہیں لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نے جو کوتاہی کی، میں نے جو غفلت کی، میں نے جو کمزوری دکھائی اور جو قربانی مجھے پیش کرنی چاہئے تھی، میں نے پیش نہیں کی تو کوئی اَور شخص اس کی خاطر اس کمی کو پورا کر دے گا۔ یا ناممکن ہے اس واسطے کہ اس میں بھی تو اپنی اِستعداد سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی اہلیت نہیں ہے اگر اس کی ذمہ داری اسّی اکائیاں ہے تو اسّی اکائیوں پر

اس کی طاقت ختم ہوگی۔ وہ دوسرے کی دس اکائیاں کہاں سے پوری کرے گا اگر اس کی طاقت سو اکائیاں ہے تو سو اس نے دے دینی ہیں ایک سو دس وہ کہاں سے لائے گا۔

پس اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یہ ایک اٹل قانون ہے۔ اگر زید اپنی پوری طاقت کے مطابق خدا کے حضور پیش نہ کرے تو زید کی طاقت کے اظہار یعنی محنت اور جانفشانی میں جو کمی رہ گئی ہے یہ کمی کوئی دوسرا پوری نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا اپنا ایک دائرۂ استعداد ہے اور اس دائرۂ استعداد کی انتہا تک اس کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے کی ذمہ داری وہ کیسے اُٹھائے گا۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ دوسرے کا بوجھ تو وہ اُٹھا ہی نہیں سکتا یہ ناممکن ہے کیونکہ یہ اٹل قانون ہے کہ انسان دوسرے کا بوجھ اور ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتا۔ زید بکر کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتا اور بکر زید کی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتا۔ ہر شخص کو اپنی ذمہ داریاں خود ہی ادا کرنی پڑیں گی اور ادا بھی اس طرح نہیں کرنی ہوں گی کہ کچھ دیا اور بقیہ کے متعلق بخل کر دیا بلکہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اپنی طاقت کو انتہا تک پہنچا کر اس کا آخری حصہ تک ادا کرنا پڑے گا کیونکہ دوسرا کوئی ہے ہی نہیں جو کمی کو پورا کر سکے۔ عقلاً بھی کوئی دوسرا اس کمی کو پورا نہیں کرسکتا۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے کیونکہ جو دوسرا ہے اس کو جتنی طاقت دی گئی تھی اس کے مطابق کام کرنے کی تو اس کی اپنی ذمہ داری تھی اور دوسرے کی ذمہ داری اُٹھانے کی اسے طاقت ہی نہیں ملی۔ اس کی طاقت کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا گیا جس کے بارہ میں اسے کہا گیا ہو کہ تو دوسرے کی ذمہ داری اٹھالے۔ وہ دوسرے کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ ہرگز نہیں اٹھا سکتا۔ پس جو قوم اپنے مقام کی انتہا کو پہنچنا چاہے، اس کے ہر فرد کی ایسی تربیت ہونی چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو انتہا تک پہنچانے والا ہو۔ فرض کرو ایک لاکھ کی کوئی قوم ہے اگر ان میں سے نوّے ہزار اپنے دائرہ استعداد کے مطابق یعنی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا میں جس قسم کے مکلّف ہونے کا ذکر ہے اس کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو اپنے دائرہ استعداد کی انتہا تک پہنچا دے اور دس ہزار نہ پہنچائیں تو جو کام دس ہزار سے رہ گیا ہے، کسی اَور کی طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ پورا کرسکے۔ یہ بالکل ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے اس کو پورا کرنے کی طاقت ہی نہیں دی پس اگر یہ کمی رہ گئی تو ایک لاکھ آدمی اپنے مقام کی انتہا کو نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ دس ہزار نے کمزوری دکھا دی۔

پھر فرمایا کہ انسان کو اس کی سعی کے مطابق ہی ملا کرتا ہے۔ میں اب یہاں یہ معنی کروں گا کہ بنی نوع انسان کیونکہ ان کی سعی کا جو مجموعہ ہے اس کی انتہا کے مطابق قوم ترقی کرتی ہے ویسے ہر فرد بھی اپنی سعی کے مطابق ہی پاتا ہے۔ بچوں کو سمجھانے کے لئے میں ایک مثال دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو سَو روپیہ دینا چاہے اور وہ دو پر راضی ہو جائے تو اس نے خود کو اٹھانوے سے محروم کر دیا۔ اگر کوئی فرد خدا تعالیٰ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کے حصول کی استعداد رکھتا تھا یعنی اتنی استعداد رکھتا تھا کہ وہ خدا کے حضور ایسی قربانیاں پیش کر سکے کہ خدا تعالیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انعام جو امت محمدیہ میں کسی کو مل سکتے ہیں، وہ پالے اگر اس نے وہ کوشش نہیں کی تو وہ خود کو محروم کرتا ہے اور جو قوم بحیثیت قوم اس لئے پیدا کی گئی کہ وہ دنیا کی معلّم اور ہادی بنے اس قوم کے ہر فرد کو اپنی قوت کے مطابق اپنی قربانی انتہا تک پہنچا دینی چاہئے اور قوت تو بدلتی رہتی ہے (اس تفصیل میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں) کیونکہ نشو ونما ہو رہی ہے اور طاقت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ آپ کوئی وقت لے لیں اگر انہوں نے اس وقت کی طاقت کے مطابق اپنی قربانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا تو وہ قوم اس وقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے انتہائی انعامات کی وارث بن گئی لیکن اگر بعض نے خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی قربانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا اور وہ دائرۂ استعداد کی حد بندی کرنے والی آخری لکیر تک پہنچ گئے اور بعض نے اپنی طاقت کی انتہا تک قربانیاں نہ دیں تو بحیثیت مجموعی قوم یا جماعت ان انعامات کی وارث نہیں بن سکتی، جن کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے (اس حساب میں منافقین کو اس گروہ سے باہر سمجھنا پڑے گا)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ایسا شخص جو اپنی استعداد کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے وہ اپنی کوشش کا نتیجہ ضرور دیکھے گا اور اس کی سعی کے مطابق جَزَآءً اَوْفٰى یعنی پوری جزاء اسے ضرور ملے گی۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ اسے اپنی کوشش پر نازاں نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بعض ایسی کمزوریاں ہوتی ہیں جو انسان کی نظر میں نہیں ہوتیں اور اس کی عقل میں نہیں آسکتیں لیکن کمزوری ہوتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ اس شخص یا جماعت نے اپنی طاقتوں اور وقتی نشو ونما کے مطابق بغیر کسی کمزوری کے (کمزوری ایمان ہو یا کمزوری عمل یا کمزوری فہم) خدا کے حضور اپنی انتہائی قربانی پیش کر دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان یہ

کر ہی نہیں سکتا اس کی نگاہ دوسروں کے سلسلہ میں بھی متعصّبانہ ہوسکتی ہے اور اپنے حق میں تو انسان بڑا سخت متعصب بن جاتا ہے کرتا تھوڑا ہے اور سمجھتا ہے میں نے بہت کیا۔ کچھ بھی نہیں کرتا اور سمجھتا ہے میں نے کچھ کرلیا۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر ہے کہ کرتے کچھ نہیں اور دعوے بڑے کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی کمزوریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ پس فرمایا تم انتہائی کوشش کرو جس قدر تم کر سکتے ہو لیکن تکبر نہ کرنا۔ ہمارا وعدہ یہ ہے کہ تمہاری انتہائی کوششوں کا انتہائی نتیجہ نکلے گا بشرطیکہ تمہاری کوششیں ہماری نگاہ میں بھی انتہا تک پہنچی ہوئی ہوں اور تم اس شرط کو کبھی نہ بھولنا۔

آج میں ایک اور خطبے کے تسلسل میں ہی محنت پر زور دینا چاہتا ہوں گو محنت سے مراد ہر قسم کی محنت ہوتی ہے لیکن ہر فرد اور قوم میں اصولاً دو قسم کی محنتیں ہوتی ہیں۔ ایک فرد یا قوم کی استعدادوں کی نشوونما کے لئے محنت اور ایک یہ کہ پہلے کی نشوونما کے بعد اُس وقت (معین کوئی وقت یا تاریخ لے لیں) کی طاقتوں اور استعدادوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق، اس کی شریعت کی روشنی میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہوئے پورے طور پر کام میں لگا دینا اور اس وقت کے لحاظ سے اپنی ساری طاقت اور استعداد کے مطابق خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو انتہا تک پہنچا دینا۔ یہ دونوں کوششیں اپنی انتہائی شکل میں ہونی چاہئیں یعنی ایک تو تربیت کی کوشش جسے ہم مختصراً دوسرے الفاظ میں استعدادوں کی نشوونما کہتے ہیں۔ ہر وہ فرد واحد جو خدا اور اس کے رسول اور خدا کے رسولؐ کے روحانی فرزند عظیم مہدی معہودؑ کی طرف منسوب ہو رہا ہے اس کی تربیت کے لئے انتہائی کوشش ہونی چاہئے اور دوسرے جماعت بحیثیت جماعت (بحیثیت جماعت کا مطلب ہے افراد کا مجموعہ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دینے کی جتنی طاقت رکھتی ہے اسے اس طاقت کے مطابق انتہائی قربانی دیتے رہنا چاہئے یہ طاقت بڑھتی رہے گی اور پہلے سے بڑی قربانی کا مطالبہ ہوتا رہے گا لیکن آج ۲۸؍جنوری کو ہماری جتنی طاقت ہے اس کے مطابق ہمیں انتہائی قربانی دے دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے اور کل ہماری طاقت آج سے کہیں بڑھ کر ہو اور خدا کرے کہ کل ہماری قربانیاں بھی اسی نسبت سے آج سے کہیں بڑھ کر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍اپریل ۱۹۷۲ء صفحہ ۲، ۳)